www.khanqah.in

Visit us at: www.khanqah.in

ہفتہ وار

اشاعت کا چودھواں سال
14th year of Publication

مبلغ

The Weekly **MUBALLIG**
Srinagar Kashmir

سرینگر کشمیر

قیمت صرف 3 روپے

03 مئی 2013ء جمعۃ المبارک 22 جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ جلد نمبر: 14 شمارہ نمبر: 16

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ چھِ فرماوان:

پاپ تہٕ پُن ییٖلہِ ہٮ۪ن توٗلہِ نِ
بایَو تتہِ کُی پائے کُری تَو
لوٗگ وَے ہیٚور کُن گرٕھیٚوہ چھُوٚنِ
ہوٗن چھُوٕ دَپان وَو وَو وَو

"ذرا اس گھڑی کو یاد کرو اور اس کی فکر کرو جب ثواب اور گناہ تولے جائیں گے، اگر اس وقت نیکی کا پلڑا ہلکا اور گناہوں کا بھاری ہوگا تو پھر گھاٹے میں پڑ جاؤ گے، اسی لئے کتا کہتا ہے: "وَووَووَو" یعنی بوئے جاؤ، بوئے جاؤ، بوئے جاؤ۔"

ضروری گذارش: محترم قارئین کرام! یہ اَخبار عام اخباروں کی طرح نہیں، اسلئے اس کا اَدب واحترام ہمیشہ قارئین پر واجب ہے۔ مدیر

عمل سے زندگی بنتی ہے

جنت بھی جہنم بھی......!

مولانا محمد عبداللہ قاسمی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر دُنیا میں بھیجا ہے خلافت کے جلیل القدر منصب کے فرائض کماحقہٗ انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نہ صرف قوت گویائی بخشی بلکہ شکل وصورت اور دماغی صلاحیت بھی تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ عنایت کی تاکہ وہ دُنیا کی دیگر مخلوقات پر حکومت کر سکے لہٰذا انسان میں انسانیت کا احساس بھی ودیعت کیا۔ دراصل انسانیت ہی انسان کی پہچان ہے، اگر غور کریں تو انسانیت علم، عمل، اخلاص اور فکر آخرت پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا مومن کو علم حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا: "علم رکھنے والے لوگ ہی اللہ سے ڈرتے ہیں" نیز فرمایا: "جو شخص اپنے ربّ سے ڈرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں، رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔ نیز فرمایا: "علم حاصل کرو چاہے چاین جانا پڑے"۔ یعنی علم حاصل کرنے کیلئے مشقت اُٹھاؤ چاہے دور دراز ممالک کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اللہ کی تخلیق کردہ کائنات اور کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی اور زمین کے اندر کی چیزوں کو دیکھے، تلاش کرے اور ان کی افادیت پر غور کرے، ایسے ہی مشقت کرنے والے عالموں نے دُنیا کو آج بامِ عروج پر پہنچا دیا ہے لیکن مومن پر دُنیاوی علوم حاصل کرنے سے پہلے علم دین حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے خالق اور اپنے ربّ کو پہچان سکے، اللہ اور اسکے رسول کے راستہ پر چل کر صحیح معنی میں انسان بن سکے، یعنی اپنے خالق کو دل وجان سے ایک جانے اور ادائیگی نماز وروزہ اور زکوٰۃ سے ہرگز غافل نہ ہو، اپنے نفس لمّارہ پر ہمیشہ غالب رہے، اعلیٰ اخلاق کا حامل بنے یعنی نرم خوئی، احسان، عفوودرگزر اور حسن اخلاق وایثار کا شیوہ اختیار کر کے انسانیت کا حق ادا کرے اس کے علاوہ دُنیاوی علوم بھی حاصل کرنے کی غرض وغایت اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا ہو نہ کہ تخریب کاری، نیز علم حاصل کرنے کا مقصد اپنی ذاتی عزّت وشہرت اور دولت کمانا نہ ہو بلکہ اپنے علم سے انسان اپنے اخلاق درست کرے اور اشاعت علم اور اصلاح ودعوت اپنا نصب العین بنائے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علم انسان کیلئے ایک عظیم نعمت ہے، مگر علم وعمل لازم وملزوم ہیں، قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان کیلئے دین ودُنیا میں فلاح ہے"۔ عمل ایک ایسا وسیع مضمون ہے جس میں تمام اخلاقیات مضمر ہیں، عالم نیک وبداعمال کے نتائج اور اجروثواب جانتا ہے، اگر پھر بھی وہ عمل نہ کرے تو عالم کا علم اس کی ذات کیلئے نہ دُنیا میں کسی منفعت کا باعث بن سکتا ہے نہ دین کیلئے فائدہ مند ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم علم اور بھولے بھالے لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اچھے اخلاق رکھتے ہیں، دوسروں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں، محنت ومزدوری کرتے ہیں اور اللہ کا شکر بجالاتے ہیں، اللہ کی نظر میں بہت محبوب اور پسندیدہ ہیں، اور قیامت کے دِن آسانی سے جنت میں داخل کردیئے جائیں گے، دراصل علم وعمل وہ کیمیا ہے جس سے انسان کا دل ودماغ آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوجاتا ہے جس میں اپنے اور دوسروں کے نیک وبداعمال صاف نظر آنے لگتے ہیں، عالم خود اپنا محاسب بن جاتا ہے اس کی شخصیت نکھر کر مثالی بن جاتی ہے، اس کی زبان میں اللہ تعالیٰ اثر پیدا کردیتا ہے اس کا علم اس کی ذات اور دوسروں کیلئے نفع بخش ہوجاتا ہے۔

اخلاص کے ساتھ جو عمل بھی کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ضرور قبول ہوتا ہے، اسلئے احکامِ خداوندی پر بنا کسی لالچ کے ہزار مشکلات اور مخالفت کے باوجود خلوص کے ساتھ عمل کرنا چاہیئے، اللہ کے مخلص بندے اپنے اعمال اور عبادات کی تشہیر نہیں کرتے بلہ چھپاتے ہیں اور چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہے مثلاً انسان بھوک اور پیاس میں کھانا اس نیت سے کھائے کہ اللہ نے فرمایا ہے: "کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو" اس کا کھانا پینا عبادت بن جائے گا، اپنی صحت کی حفاظت کیلئے دوا علاج اس نیت سے کرے کہ زندگی اللہ کی دی ہوئی امانت ہے، اس کو صحیح سلامت رکھنے کی جدوجہد کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اعمال کا دارومدار نیت پر ہے"۔ نیز فرمایا: "مومن کی نیت اس عمل سے بہتر ہے۔

اس دنیاوی قلیل المدت زندگی میں انسان جو نیک وبداعمال کرتا ہے یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کا علم اللہ کو تو ہوتا ہی ہے، لوح محفوظ میں بھی محفوظ ہوجاتا ہے، اس کے علاوہ اللہ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے کراماً کاتبین اس کے اعمال کم وکاست ایک رجسٹر میں لکھنے کیلئے مقرر کئے ہیں، جو اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، قیامت کے دن انسان کے اعضاء بھی بولیں گے اور گواہی دیں گے جو کام اس نے ان اعضاء سے دنیا میں کئے تھے، یہی نہیں بلکہ زمین میں بھی من وعن تحریر کی طرح جمع رہیں گے۔

سورۂ زلزال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قیامت کے دِن زمین انسان کے اعمال اُگل دے گی اور گواہی دے گی، ہر اس عمل پر جو انسان نے کھلم کھلا یا پوشیدہ کئے تھے، حتی کہ کسی نامحرم پر نظر بد ڈالنی ہوگی وہ بھی بتادیگی، وہ منظر کیسا شرمناک ہوگا، جب انسان اپنے پوشیدہ اور اعلانیہ کئے گئے اعمال بد کے اشتہار پر پوری دُنیا کے لوگوں کے سامنے اور اللہ اور فرشتوں کے سامنے ذلیل وخوار ہوجائے گا۔

سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،: "وہ یعنی اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانتوں اور (ان نیتوں اور ارادوں کو) جو تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ سورۂ لقمان میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: "اے بیٹے! کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمان میں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا، وہ باریک بین اور باخبر ہے" اے بیٹا نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، اور برائی سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کر یعنی زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال قائم رکھ، اپنی آواز کو پست رکھ، سب آوازوں سے بُری آواز گدھے کی ہوتی ہے، یعنی بات چیت کرنے میں نرمی اور شائستگی قائم رکھ"۔

حدیث شریف میں نبی کریمؐ نے فرمایا: "عقلمند اور عاقبت اندیش ہے وہ شخص جو اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے، اور ایسے اعمال کرے جو مرنے کے بعد کام آنیوالے ہیں اور عاجز ونامراد ہے وہ شخص جس نے اپنی نفسانی خواہشات اور اغراض کو پورا کرنے میں عمر گنوادی اور آخرت کیلئے کچھ نہیں کیا، پھر بھی اللہ سے اُمیدیں باندھتا رہا"۔

ہر شخص کو موت آنی ہے، چاہے بچپن میں آئے، جوانی میں آئے، بڑھاپے میں آئے لیکن موت کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اگر انسان موت کو یاد رکھے اور اس کو پکّا یقین ہو کہ مرنے کے بعد اس عارضی زندگی میں کئے گئے ہر عمل کا حساب اپنے خالق اپنے ربّ کو دینا ہے تو انسان اپنی نفسانی خواہشات پس پشت ڈال کر//

بقیہ صفحہ 7 پر.....//

www.khanqah.in

مسلمانانِ کشمیر کا تصوّرِ دین

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی ہر بات سے کلی یا جزوی طور متفق ہونا ضروری نہیں۔ مدیر

اس تمہید کی روشنی میں آپ مسلمانان کشمیر کے تصور مذہب کا جائزہ لیجئے تو یہ اسلام کے مقابلے میں ان ادیانِ باطلہ سے زیادہ قریب نظر آتا ہے جنکے نزدیک رہبانیت اور ترک دنیا ہی دین کی اصل ہے اور جو بہر کیف مذہب کو فرد کا ایک پرائیویٹ مُعاملہ قرار دیتے ہیں جس کا اسکی عملی زندگی سے کوئی موثر تعلق نہیں۔

واضح رہے کہ جب میں مسلمانانِ کشمیر کی ترکیب استعمال کر رہا ہوں تو میری مراد کشمیر کے تمام مسلمان نہیں بلکہ انکی اکثریت ہے، مُسلمانانِ کشمیر کی عام سوچ یہ ہے کہ دینداری اور دنیاداری دو متضاد و مُتنَاقِص معاملے ہیں، جن کا باہم کوئی تعلّق نہیں، اگر کوئی آدمی امورِ دنیا میں دین کے عمل دخل کی بات کرتا ہے تو انھیں اگر صدمہ نہیں پہنچتا ہے تو حیرت ضرور ہوتی ہے، دینی اور مذہبی امور انکی نظر میں صرف وہ ہیں جن کا تعلّق یا تو مسجد سے یا ان مجالسِ ختمات سے جو ہمارے دورِ زوال والخطاط کی یادگار ہیں، مذہبی آدمی وہ ہے جو زندگی اور معاملاتِ دنیا سے لاتعلّق ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرے۔ تجرّد کی زندگی گذارے اور اپنے اندر راہبوں کی سی خو بو پیدا کرے ،اگر آدمی میلا ہو، اُسکے بال پریشان ہوں، وہ کسی گپھا میں پناہ لے اور معمول کی حلال غذاؤں کو چھوڑ کر گھانس پھوس پر گذارہ کرے، تو اُسے خدا رسیدہ سمجھا جاتا ہے، اقبالؒ کے ابتدائی دور کا ایک شعر ہم پر پوری طرح صادق آتا ہے:

گداگر ہو اور بال ہو اُسکے لمبے
مسلمان اسکو ولی جانتے ہیں

حد یہ ہے کہ یہاں بسا اوقات ذہنی طور پر مریض اور مخبوطُ الحواس انسانوں کو خدا مست سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے، غور فرمایئے کہ اس تصوّرِ مذہب کا اس دین کے ساتھ کیا تعلّق ہے جس کا ایمان لانے والوں سے یہ مطالبہ ہو کہ: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (البقرۃ:۲۰۸) ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے''۔

جس کے پیغمبر کا ارشاد ہو کہ: ''وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ......'' ''میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو بھی میری اس راہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں''۔

اور یہ کہ: ''اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَان یعنی ''پاکدامنی نصف ایمان ہے''

جسکے پیغمبر کو عارضی طور پر بھی کسی حلال چیز سے پرہیز کرنے پر ٹوکا جائے: ﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ......﴾ (سورۂ تحریم:۱)

یہاں مجھے اجازت دیجئے کہ جملہ مُعترضہ کے طور پر ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ کروں کہ جو ہمارے گمراہ کن تصوّرِ مذہب کا آئینہ دار ہے ،کون نہیں جانتا کہ علاّمہ اقبالؒ راہبانہ تصوّرِ مذہب سے کس قدر بیزار تھے، مثنوی اسرارِ خودی میں انھوں نے ایک تمثیل کے پیرائے میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک راہبانہ تصورِ دین کس طرح اسلام جیسے ایک عملی مذہب کو گھن کی طرح چاٹ لیتا ہے، کسی چراگاہ میں بہت سے بھیڑیں مدّت سے آرام وراحت سے رہا کرتی تھیں، اچانک شیروں نے ان پر حملہ کردیا، بھیڑوں میں مقابلے کی طاقت نہیں تھی اسلئے ان میں ایک عیّار اور بوڑھی بھیڑ نے سوچا کہ کیوں نہ مکّاری اور عیّاری سے کام لیا جائے اور خود شیروں کو بھیڑوں میں تبدیل کیا جائے، اسکے بعد یہ بھیڑ خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے شیروں میں چلی جاتی ہے اور اُن سے کہتی ہے کہ تم دنیا پرستی سے باز آجاؤ گوشت خوری ترک کردو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے منجملہ باتوں کے بھیڑ اُن سے یہ بھی کہتی ہے کہ ؎

روحِ نیکاں از علف یابد غذا
تارکُ اللحم است مقبول خدا

اِسی شعر کو ہمارے مذہب داروں نے سیاق وسباق سے کاٹ کر ایک ایسے بزرگ کے مقبرے پر لکھا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ نہ انہوں نے زندگی میں نکاح کیا تھا اور نہ ہی گوشت کھایا تھا اس بدترین معنوی تحریف کیلئے ہمارا غلط تصوّرِ مذہب کی ایک اہم تاریخی بنیاد ہے چند سو سال پہلے تک ہم ہندو تھے، حضرت سیّد عبدالرحمان بُلبُل شاہ صاحبؒ اور حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ جیسے بزرگوں کے ذریعے ہم اسلام سے روشناس ہوئے مگر افسوس کہ ایمان لانے کے بعد جس دینی تعلیم وتربیّت کی ضرورت تھی وہ ہمیں کَمَاحَقَّہٗ میسّر نہ ہو سکی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایمان لانے کے باوجود اپنے قدیم مذہب کی گرفت سے مکمّل طور پر آزاد نہ ہو سکے، حضرت امیرؒ کی واپسی کے بعد یہاں کے مسلمانوں کی تربیت کا کام میر محمّد ہمدانیؒ اور اُنکے ہمراہ سادات سے زیادہ یہاں کے مقامی ریشیوں کے ہاتھوں میں آیا باستثنائے چند قدیم ریشی روایات کا تسلسل (Extension) تھا جس پر نئے حالات میں اسلامیّت کا رنگ غالب آ گیا تھا، ریشیوں کے اس غلط اثر کے سلسلے میں، میں (Sultans Kashmir under the) کے مصنّف ڈاکٹر مُحبُّ الحسن کے الفاظ مستعار لیتا ہوں، ہماری تاریخ اس ناقص تربیّت کے بہت شواہد فراہم کرتی ہے اور خود ہماری موجودہ حالت اسکی بیّن (صاف) عکاسی کرتی ہے۔ ''ریشیوں نے ترکِ دنیا پر جو زور دیا اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کا مقصد رہبانیّت اور زندگی سے فرار قرار پایا۔ زیارتیں اور خانقاہیں جو ملک میں عام تھیں وہم پرستی، شرک اور مکر وفریب کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں، ضعیفُ الایمان لوگوں نے ان زیارتوں پر سجدے کرنے شروع کئے چنانچہ آج تک غیر اللہ کو سجدہ کرنا ایک کشمیری کی زندگی کا لازمی حصّہ ہے جس سے پیر اور مُلاّ بدستور ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہیں''۔

کشمیر کے پہلے مسلمان بادشاہ رنچن شاہ (1320-23 A.D) (جس کا اسلامی نام صدرالدین تھا اور جس نے حضرت بُلبُل شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا) جب وفات پا گئے تو اُن کی بیوہ کوٹہ رانی نے ایک ہندو راجکمار---آڈون دیو کے ساتھ شادی کی۔ اسی طرح جب حضرتِ امیر کبیر قُطبُ الدین شاہمیری (1373-89 A. D) کے عہد حکومت میں کشمیر تشریف لائے تو اسوقت دو بہنیں بیک وقت سلطان کے نکاح میں تھیں، مصنّف تاریخِ حسن اور (Kashmir under the Sultans) کے مصنّف ڈاکٹر محبّ الحسن دونوں لکھتے ہیں کہ سلطان نہ صرف جمع بین الاختین کا مرتکب تھا بلکہ مندر بھی جاتا تھا اور یگیہ بھی کرتا تھا حضرتِ امیرؒ نے انھیں اسلامی پوشاک پہننے کی ہدایت فرمائی اور رہن سہن کے طریقوں میں اسلامی شان پیدا کرنے کی تلقین کی یہی وجہ ہے کہ آج تک ہم اپنے قدیم اوہام وخرافات کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں، دین کے تین اہم شعبوں عقائد، عبادات اور معاملات کے نقطۂ نظر سے ہماری حالت کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر روشن ہو جائے گا کہ صحیح اسلام اب تک بھی ہم سب کی زندگی میں داخل نہیں ہو سکا ہے۔

مرسلہ: مشتاق احمد بن غنی۔ کولگام

تاریخی کالم

اسلام سے قبل کی سلطنتیں ۔ 2

غساسنہ: غسانی قبائل کا علاقہ شمال مشرق میں دریائے فرات سے لے کر جنوب مغرب میں ایلہ اور تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا دارالحکومت بُصریٰ تھا جو شام میں اُردن کی سرحد کے قریب واقع ہے، یہاں تغلب، قصاعہ اور بنوکلب قبائل آباد تھے، غسانی حکمران مسیحی تھے اور سلطنت روم کے باجگزار تھے۔ 06ھ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا جس کے باعث جمادی الاولیٰ 08ھ میں جنگ موئتہ لڑی گئی، جبلہ بن ایہم غسانی نے اسلام قبول کیا مگر کچھ عرصہ بعد عہد فاروقی میں وہ حضرت عمرؓ کے ایک برحق فیصلے پر ناراض ہو کر پھر عیسائی ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ گیا، وہاں سے قسطنطنیہ چلا گیا جہاں اس کا انتقال کفر پر ہوا۔

یمامہ: علاقہ یمامہ بحرین اور کندہ کے درمیان واقع تھا، اس کا دارالحکومت حَجر تھا۔ یہاں بنوحنیفہ اور عبدقیس آباد تھے جو بت پرست تھے، یمامہ کا حکمران ہوذہ بن علی نصرانی تھا جس نے 06ھ میں اسلام کی دعوت قبول نہ کی اور 08ھ میں کفر پر مر گیا، یمامہ ہی میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قتل ہوا۔

البحرین: یہ علاقہ یمامہ اور خلیج فارس کے درمیان واقع تھا اور اس میں موجود قطر اور اَمارت بحرین (جزیرہ) بھی شامل تھے۔ اسکا دارالحکومت دارین تھا۔ عہد نبوی میں یہاں منذر بن ساوی حکمران تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، ان دنوں البحرین (سعودی عرب) کو الاحساء کہتے ہیں۔

عُمان: یہ خلیج فارس اور بحیرہ عرب کے درمیان واقع ہے، جس میں اُن دنوں آج کے متحدہ عرب اَمارات کے مشرقی علاقے بھی شامل تھے۔ یہاں بت پرست ازد اور دیگر قبائل آباد تھے جو مجوسی تھے۔ مسقط، صُحار اور دَبا یہاں کے ساحلی شہر تھے۔ عمان پر دو بھائی جیفر اور عبد پسران جلندی حکمران تھے اور وہ دونوں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

یمن: یہ جزیرۂ نمائے عرب کے جنوب مغربی حصے پر مشتمل تھے، قبل از اسلام یمن میں حارث، خولان، مراد، کہلان، عک اور ہمدان نامی قبائل آباد تھے۔ صنعا، مأرب، مخا اور عدن مشہور شہر تھے۔ بیشتر اہل یمن مذہباً یہودی تھے۔ دیگر قبائل بت پرست تھے۔ نجران، مأرب اور ہمدان کے علاقے میں عیسائی آباد تھے اور جنوبی یمن میں مجوس بھی تھے۔

قدیم یمن (سبا) کا دارالحکومت مأرب تھا جو موجودہ دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں تقریباً 130 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، قوم سبا (1100 قبل مسیح تا 115 قبل مسیح) قحطان کے پوتے عبدشمس سبا بن یعرب سے منسوب تھی۔ سبا کا اصل مرکز حکومت جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں یمن کا مغربی حصہ تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مشرق میں حضرموت تک وسیع ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہد 950 (قبل مسیح) میں سبا پر ملکہ (بلقیس) حکمران تھی جس کا ذکر سورۂ نمل میں آتا ہے، سبا کے بادشاہ شمر نے تقریباً 800 قبل مسیح میں شہر مأرب کے جنوب میں وادیٔ اذینہ میں ایک آبی بند تعمیر کیا تھا جو 115 فٹ لمبا اور 50 فٹ چوڑا تھا۔ اس کی ایک تہائی دیوار اَب بھی باقی ہے۔ اس بند کو حجازی عرب ''سد'' اور یمنی عرب ''عَرِم'' کہتے ہیں۔ (تاریخ ارض القرآن۔ از علاّمہ سید سلیمان ندویؒ)

8ھ (630ء) میں یمن میں اسلام کو فروغ ملا۔ عبّاسی خلافت کمزور ہونے پر یہاں زیدی، مہدی، رسولی اور صلیحی خانوادے برسر اقتدار رہے۔ 1750ء میں عثمانی تسلط قائم ہونے کے باوجود یمن نیم خودمختار رہا۔ 1839ء میں برطانیہ نے اس پر قبضہ جمالیا۔ 1962ء میں شمالی یمن (دارالحکومت صنعاء) آزاد ہو گیا، تاہم جنوبی یمن (دارالحکومت عدن) کو 1967ء میں آزادی ملی۔ 1990ء میں دونوں یمن متحد ہو گئے۔

ہفتہ وار
مبلغ
سرینگر کشمیر

03 مئی 2013ء جمعۃ المبارک

رُشوت خوری بدترین جُرم ہے

حرام مال کھانے یا دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے ہڑپ کرنے اور کھاجانے کی ایک صورت رشوت خوری ہے، رشوت کہتے ہیں اس مال کو جو حق کو باطل یا باطل کو حق قرار دینے کے لئے کسی حاکم، قاضی یا ذمہ دار شخص کو دیا جائے، اس طرح کسی عہدہ پر فائز ذمہ دار شخص کا اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا اور اس کیلئے لوگوں سے روپیہ پیسہ لینا بھی رشوت ہی کی طرح ہے، کیونکہ یہ مطلوبہ ذمہ داری کو پورا کرنے کا معاوضہ نہیں، معاوضہ تو تنخواہ کی شکل میں اسے ملتا ہی ہے، بلکہ یہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا اور ان کا استحصال کرنا ہے، ساتھ ہی یہ امانت و دیانت داری کے خلاف بھی ہے، اور بدترین خیانت ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اسطرح ٹال مٹول کیا جائے کہ مجبور شخص "رشوت" دینے پر مجبور ہوجائے، تاہم کسی کو نقصان پہنچائے بغیر اپنا جائز حق وصول کرنے کیلئے مجبوراً کسی کو کچھ دینا پڑے تو اسے اہل علم نے دینے والے کے حق میں رشوت قرار نہیں دیا، اگرچہ یہ بھی غلط رواج میں تعاون ہے، اسلئے حتی الامکان اس سے بھی بچنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

رشوت کا لین دین بدترین جرم اور گناہ ہے، اسلام میں قطعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں، اسلام نے تو ایسے ہدیہ تحائف قبول کرنے سے بھی منع کردیا، جہاں رشوت کا شائبہ پایا جاتا ہے، مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص (کسی حاکم و بادشاہ سے) کسی کی سفارش کرے اور پھر اس سفارش کے عوض اس کو کوئی ہدیہ تحفہ دیا جائے اور وہ قبول کرلے تو وہ تحفہ قبول کرکے سود کے دروازوں میں اسی ایک بڑے دروازے میں داخل ہوا"۔ اسلئے رشوت خوری اکل حرام کی ایک بدترین شکل ہے، اس سے روکتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا: "اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو اور نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو"۔ (سورۂ بقرہ: ۱۸۸)

اسلا سے قبل یہودیوں میں یہ برائی عام تھی، بلکہ ان کے اکثر علماء و پیشوا اس میں ملوث تھے، وہ رشوت لے کر اُمراء و مالداروں کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے یا حکم شریعت بتلانے کیلئے اللہ کی کتاب میں تحریف و تبدیلی تک کیا کرتے تھے، قرآن پاک میں ان کی اس عادتِ بد کا کئی مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۴ میں ارشاد ہے: "بے شک وہ لوگ جو کتاب سے چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی اور اس کے عوض حقیر معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، اللہ قیامت کے دِن نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کریگا، بلکہ ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا"۔ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۲۔۶۳ر میں ارشاد ہے: "اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں اکثر گناہ کے کاموں کی طرف، ظلم و زیادتی کی طرف اور حرام مال کھانے کی طرف دوڑتے ہیں، جو کچھ یہ کررہے ہیں نہایت ہی برے کام ہیں، ان کے علماء عبادت گزار نہیں جھوٹ کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک کیا ہی بُرے کام ہیں جو یہ کررہے ہیں"۔

احادیث میں رشوت لینے دینے والے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لعنت فرمائی ہے، "لعن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم الرّاشی والمرتشی" اور ایک روایت میں اس شخص پر بھی لعنت ہے جو رشوت دینے والے کے درمیان واسطہ بنتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رشوت ستانی میں یہ تینوں ہی شخص بڑے مجرم ہیں، رشوت لینے دینے والے براہِ راست مجرم ہیں، تو درمیان میں واسطہ بننے والا اس معاملہ میں تعاون کرکے اس جرم اور بداخلاقی کو تکمیل تک پہنچاتا ہے، صحیح احادیث کی رو سے اکل حرام کا انجام جہنم کی آگ ہے، لیکن اللہ کا خوف اور اس سے ملاقات پر یقین کمزور ہو تو پھر بندہ اخروی انجام کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

جواھر القرآن

سورۂ مجادلہ (۱ تا ٦) دوسری قسط

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

آیاتِ مذکورہ کے ذریعہ شریعت اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دوطرح فرمائی اوّل تو خود اس رسمِ ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا، کہ جس کو بیوی سے علحدگی اختیار کرنا ہے، اس کا طریقہ طلاق ہے، اس کو اختیار کرے، ظہار کو اس کام کیلئے استعمال نہ کرے، کیونکہ یہ ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دیا قرآن کریم نے فرمایا: "ھُن اُمّھاتھم ...." یعنی اُن کے اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، ماں تو ہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے، پھر فرمایا: "وَاِنّھم لیقُولون منکرا من القول وزورا" یعنی اُن کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلاف واقع بیوی کو ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی ناواقف جاہل یا احکام دین سے غافل آدمی ایسا کرہی بیٹھے تو اس لفظ سے حرمت ابدی شریعت اسلام میں نہیں ہوتی، لیکن اس کو کھلی چھٹی بھی نہیں دی جاتی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط و انتفاع کرتا رہے، بلکہ اس پر ایک جرمانہ کفارہ کا لگایا گیا، کہ اگر پھر یہ اپنی بیوی سے رجوع ہونا چاہتا ہے اور سابق کی طرح بیوی سے انتفاع چاہتا ہے تو کفارہ ادا کرکے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے، بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی، اگلی آیت میں "والذین یظھرون من نساءھم........" کا یہی مطلب ہے۔ یعودون لما قالو میں حرف لام عن کے معنی میں لایا گیا، یعنی رجوع کرتے ہیں وہ اپنے قول سے، اور حضرت ابن عباسؓ سے یعودون کی تفسیر بلفظ یندمون بھی منقول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول کہنے کے بعد وہ اپنے قول پر نادم ہوجائیں اور پھر بیوی سے اختلاط کرنا چاہیں۔ (مظہری)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاطِ حلال ہونے کی غرض سے ہے اس کے بغیر حلال نہیں، خود ظہار اس کفارہ کی علت نہیں، بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ و استغفار ہے جس کی طرف آیت کے آخر میں "وان اللہ لعفوغور" سے اشارہ کردیا گیا ہے، اسلئے اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اَب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں، البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کرکے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا واجب ہے، اگر یہ شخص خود نہ کرے تو بیوی حاکم اسلام کی طرف مراجعت کرکے شوہر کو اس پر مجبور کرسکتی ہے یہ سب مسائل کتب فقہ میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

"فتحریر رقبۃ" یعنی کفارہ ظہار کا یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار مسلسل//

بقیہ صفحہ 6 پر..........

اَدعِیۃ الرسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

بے قراری اور اضطراب کے وقت کی دُعائیں

۱۔ "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ" (بخاری حدیث: ۶۳۴۶، مسلم حدیث: ۲۷۳۰)

نہیں کوئی معبود مگر اللہ بہت عظمت والا بڑا بُردبار، نہیں کوئی معبود مگر اللہ، ربّ عرش عظیم کا، نہیں کوئی معبود مگر اللہ (جو) ربّ (ہے) آسمانوں اور زمین کا اور ربّ عرش کریم کا۔

۲۔ "اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ" (ابوداؤد حدیث: ۵۰۹۰، احمد: ۴۲/۵)

اے اللہ! میں تیری رحمت ہی کی اُمید رکھتا ہوں پس نہ سپرد کرنا تو مجھے میرے اپنے نفس کے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اور سنوار دے میرے لئے میرے کام سب کے سب، نہیں ہے کوئی معبود مگر تو ہی۔

۳۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

نہیں کوئی معبود مگر تو ہی تو پاک ہے، یقیناً میں ہی ہوں ظالموں میں سے۔

۴۔ "اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا" (ابوداؤد حدیث: ۱۵۲۵، صحیح الترمذی: ۱۲۸/۲)

اللہ، اللہ میرا ربّ ہے، نہیں شریک ٹھہرتا میں اس کے ساتھ کسی کو۔

دُشمن اور صاحب سلطنت سے ملتے وقت کی دُعائیں

۱۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ" (ابوداؤد حدیث: ۱۵۳۷)

اے اللہ! ہم کرتے ہیں تجھ ہی کو ان کے مقابلے میں اور تیری پناہ میں آتے ہیں ان کی شرارتوں سے۔

www.khanqah.in

www.khanqah.in

اِسلامی قاعدہ ۔ 1

ترتیب
ابوالخیر

الف سے اللہ

آج تک ہمیں اسے انار ہی پڑھایا گیا۔ چونکہ انار ایک پھل ہے جو کھایا جاتا ہے اس طرح پہلی تعلیم ہمیں کھانے کی دی گئی اور سب سے پہلے پیٹ کا سبق پڑھایا گیا۔ ہے نا یہ افسوس کی بات! درس کی ابتدا ہی پیٹ سے کرکے تعلیم کی روح ضعیف بنادی گئی۔

تعلیم کی ابتدا تو اس نام سے ہونی چاہیے تھی جس نے ہمیں بنایا جو ہمارا آقا ہے۔ جو ہمیں زندگی دیتا ہے۔ جو ہمیں مارتا ہے۔ جو ہمیں پالتا ہے۔ جس نے تعلیم سیکھنے کیلئے ہمیں دماغ عطا کیا۔ ہمیں آنکھیں دیں، کان دیئے، اور علم کے اسباب پیدا کئے۔ اسی لئے الف سے اللہ ہی پڑھنا چاہیے۔

ب سے بیت اللہ

ب سے بلی بتا بتا کر آج تک ہمیں بس بلیوں اور کتوں میں ہی اُلجھایا گیا۔ یہ اہم بات نہیں بتائی گئی کہ اس زمین پر اللہ کا پہلا گھر بیت اللہ بنا جو مکہ میں ہے اور جسے کعبہ بھی کہتے ہیں۔ یہ اس زمین پر وہ پہلی مسجد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السّلام سے مل کر اللہ کے حکم سے تعمیر کی۔

پ سے پانی

کچھ لوگ پ سے پتلون بھی بولتے ہیں ہمیں پتلون سے انکار نہیں، مگر پ کو پتلون سے جوڑنے پر اعتراض ہے۔ کیا ''پ'' بے چارہ محض پتلون سے ہی جوڑنے کیلئے حرف بنا ہے۔ ارے بھائی! ذرا عقل کے ناخن لیا کرو۔ اس زمین کی پوری زندگی پانی سے جڑی ہوئی ہے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ ''پ'' کو پانی سے جوڑا جاتا۔ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ واقعہ آیات ۶۸ تا ۷۰ میں فرماتا ہے، ''کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا ہے کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو، اسے تم نے بادلوں سے برسایا ہے یا اسکے برسانے والے ہم ہیں، ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے!''

ت سے تارے

جو آسمان پر رات کی تاریکی میں جھلملاتے ہیں۔ چمکتے ہیں، اور اس کائنات کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ اصل میں یہ تارے زمین سے کئی گنا بڑے ہیں اور بعض کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ سورج سے بھی بڑے ہیں، مگر چونکہ ہماری زمین سے یہ تارے بہت دور ہیں اور ان کے اور ہمارے درمیان بہت فاصلہ ہے اسلئے یہ ہمیں نقطے جیسے نظر آتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جب سمندروں میں بادبان والے جہاز چلتے تھے تو اُن کے ملاح انہی تاروں کی مدد سے اپنی منزل کا پتہ لگا لیتے تھے اور انہی کی مدد سے اپنے راستے کا تعین کرتے تھے۔ ہمارے پیارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اصحاب کو اصحاب النجوم بتایا، یعنی صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین تاروں کی مانند ہیں، جو ان میں سے کسی کے بھی پیچھے چلا اس نے منزل پالی۔ اب پیارے بچو! یاد رہا نا آپ کو کہ ت سے تاش نہیں بلکہ تارہ ہوتا ہے، تاش بہت بُری چیز ہے، اس سے جوا کھیلا جاتا ہے اور جواری شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ جواریوں سے بھی دور رہنا چاہیے اور جوا سے بھی۔

ٹ سے ٹائی

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ ٹائی کیا چیز ہے؟ یہ ٹائی دراصل پھانسی کا نشان ہے۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا یعنی اُن کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) پھانسی ہوئی۔ اس لئے پھانسی کے اس واقعے کی یاد میں عیسائی لوگ اپنے گلے میں رسی کے طرز پر ایک کپڑا لٹکاتے ہیں۔ جسے ٹائی کہتے ہیں۔ ویسے بھی باندھنے کو انگریزی میں ٹائی کہا جاتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ بعض مسلمان بھی عیسائیوں کی دیکھا دیکھی میں ٹائی باندھتے ہیں جو کہ سراسر ناجائز ہے۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دُشمنوں سے محفوظ رکھا ہے اور آسمان پر چڑھا دیا ہے۔

ث سے ثور

''ثور'' مکہ معظّمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، اس پہاڑ پر ایک غار بھی ہے جسے غارِ ثور کہا جاتا ہے۔ جب ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مکہ میں کافروں نے بہت تنگ اور پریشان کیا، یہاں تک کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی۔ مکہ سے روانہ ہونے وہ اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں تین دِن روپوش رہے۔ کافر انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ مگر جسے اللہ رکھے۔ اُسے کون چکھے۔ کافروں کو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نظر ہی نہیں آئے۔

(جاری)

مسلمان ماؤں بہنوں کیلئے ہفتہ وار ایک تربیتی پروگرام شروع ہو چکا

مسلمان خواتین کیلئے ہفتہ وار ایک تربیتی پروگرام حضرت مولانا حمید اللہ لون صاحب۔ دامت برکاتہم کی سرپرستی میں شروع ہو چکا ہے۔ جس میں ماؤں بہنوں کے تمام بنیادی ضروری مسائل، تفسیر قرآن، سیرت، عبادات، معاملات، معاشرت و دیگر خواتین کی زندگی کے روزمرہ مسائل خواتین معلّمات ہی سکھاتی ہیں۔

یہ تربیتی پروگرام ہر ہفتہ اِتوار صبح ساڑھے دَس بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک رہتا ہے۔ پتہ ہے:

شاہ کمپلیکس لین نمبر2
آثار کالونی نزدیک کشمیر
یونیورسٹی سرسید گیٹ
درگاہ حضرت بل سرینگر

رابطہ کیلئے ڈائیل کیجئے: 9906731031

ضروری گذارش!

جن قارئین کرام نے مبلغ کی ادائیگی کئی مہینوں سے نہیں کی، انہیں گزارش کی جاتی ہے کہ وہ براہِ کرم جلد از جلد ادائیگی کریں، اور ایجنٹ حضرات سے بھی گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد ہفتہ وار مبلغ کے دفتر واقع کھانڈی پورہ کاترسو کولگام بذریعہ منی آرڈ یا از خود تشریف لا کر اپنی بقیہ ادائیگی ادا کریں۔

مدیر

SAMEER & CO
Deals with:
PLY WOOD, HARDWARE, PAINTS ETC
ایک بار آزمایئے، بار بار تشریف لایئے
H.O: K.P. ROAD ISLAMABAD
Contact No's: 9419040053

امریکہ کیسا ہے؟

ابوالخیر

ایک شخص سے پوچھا گیا کہ آپ کو امریکہ کیسا لگا؟

تو اُس نے کہا:۔

زمین ہموار نہیں۔
موسم کا اعتبار نہیں۔
لڑکی وفادار نہیں۔
مذہب سے سروکار نہیں۔
خلوص سے ہمکنار نہیں۔
وقت مددگار نہیں۔
حالات سازگار نہیں۔
خدا کا شکر گزار نہیں۔

غرض کہ امریکہ کوئی شاہکار نہیں۔

مگر کچھ ایسی باتیں اس ملک میں ہیں جو ہمارے ملک میں ہوں تو یہ ملک دُنیا کا بہترین ملک بن جائے۔

مثلاً:۔

امریکہ میں فضول خرچی نہیں۔
رسومات کا مینار نہیں۔
سڑکوں پر گرد و غبار نہیں۔
بیٹی کوئی بار نہیں۔
بھکاری کا دیدار نہیں۔
نلکوں پر قطار نہیں۔
پابندی وقت دشوار نہیں۔
تعلیم رامعیار نہیں۔

اَجس بانڈی پورہ میں کینسر سے متعلق جانکاری کیمپ منعقد

بانڈی پورہ// کے این ایس// ہائیر سیکنڈری اسکول اَجس بانڈی پورہ میں 28 اپریل کو جموں و کشمیر شمع فاونڈیشن کے اہتمام سے کینسر بیماری سے متعلق ایک جانکاری کیمپ کا اہتمام کیا گیا جس میں دُور دراز علاقوں سے آئے ہوئے سینکڑوں مریضوں نے شرکت کی اور وہ ڈاکٹروں کے مفید مشوروں سے فیضیاب ہوئے۔ کے این ایس کے مطابق شمع فاونڈیشن کے اہتمام سے ہائیر سیکنڈری اسکول اجس بانڈی پورہ میں مہلک کینسر بیماری سے متعلق ایک جانکاری کیمپ کا اہتمام کیا گیا جس میں صورہ میڈیکل انسٹی چیوٹ میں تعینات شعبہ کینسر کے سربراہ ڈاکٹر شیخ اعجاز نے لوگوں کو اس بیماری کے حوالے سے جانکاری فراہم کی اور سینکڑوں لوگوں کی طبی جانچ بھی کی۔ جانکاری کیمپ میں اَجس اور اسکے مضافاتی دُور دراز علاقوں سے آئے ہوئے سینکڑوں لوگوں نے شرکت کی، اس موقع پر شمع فاونڈیشن کے چیئرمین غلام نبی شیدا نے کہ کہ وقت وقت پر فاؤنڈیشن کی طرف سے ایسے کیمپ منعقد کئے جاتے ہیں تا کہ غریبوں کو جانکاری اور مالی امداد کی جاسکے۔

اخلاقی تعلیم کا کردا کے موضوع پر اسلامک یونیورسٹی اونتی پورہ میں سیمنار

سرینگر// سرینگر اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اونتی پورہ کے زیر اہتمام ایک خصوصی توسیعی خطبہ زیر عنوان ''شخصیت سازی میں اخلاقی تعلیم کا کردار'' یونیورسٹی کے سیمنار ہال میں منعقد ہوا۔ توسیعی خطبہ برصغیر کے ماہر تعلیم دلی یونیورسٹی کے پروفیسر ایمرٹس انٹرنیشنل سنٹر فار سپر چول کے ایڈجنکٹ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق نے پیش کیا۔ محفل کی صدارت یونیورسٹی کے رجسٹرار پروفیسر عبدالغنی راتھر نے کی۔ پروفیسر عبدالحق، رجسٹرار پروفیسر عبدالغنی راتھر، ڈین اسکول آف بیزنیس اسٹیڈیز پروفیسر اعجاز رسول متو نے موضوع کی مناسبت سے اپنی آراء کا اظہار کرتے ہوئے طلاب کی ذہنی نشو نما پر زور دیا، اختتامی کلمات میں شعبہ عربی کے صدر ڈاکٹر سید مجید اندرابی نے ڈاکٹر اقبال قریشی نے بھی خیالات کا اظہار کیا۔

www.khanqah.in

آپ کے پوچھے گئے دینی سوالات

جرائم وسزا کے احکام۔1

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ مدظلہ العالی

سوال: شریعت اسلامیہ میں جُرم وسزا کے متعلق کیا تصور ہے اور ان کے بارے میں شریعت کے بنیادی اُصول وقواعد کیا ہیں؟

(لیکچرر) مظفر احمد بٹ۔ اسلام آباد

جواب: وباللہ لتوفیق۔ جرم کی تعریف سے پہلے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جرم کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود حضرت انسان کی، اسی لئے دنیا کے تمام ہی مذہبی اور غیر مذہبی (وضعی) قوانین میں جرم وسزا کے مسئلہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ جرم وسزا کا تصور انسان اور کائنات کے متعلق انسانی تصورت واعتقادات سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ جُرم کی تعریف ماوردی نے اس طرح کی ہے کہ ''جرم ایسی ممنوعاتِ شرعیہ کا نام ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہو، یا تعزیر کے ذریعہ ان سے منع کیا گیا ہو'' (الاحکام السلطانیہ:۲۱۹) ماوردی کی یہ وضاحت اس جوہری فرق کو نمایاں کرتی ہے جو اسلام کے اور انسانی قوانین کے تصورِ جرم کے درمیان ہے، انسانی قانون جمہور کی خواہش کے دوش بدوش چلتا ہے، اور انسانی خواہشات وجذبات کے زیر سایہ اپنا سفر طے کرتا ہے، خواہ اس کے اخلاقی اثرات کیسے کچھ بھی ہوں، اسلئے یہاں کوئی انسانی عمل اس وقت جرم قرار پاتا ہے جب کہ اس سے دوسرے کے حقوق متاثر ہوں، یا اسکی آزادی کو ٹھیس لگے، مثلاً زِنا جرم نہیں ہے اگر اس میں طرفین کی رضا شامل ہو اور عورت شادی شدہ نہ ہو، شراب نوشی جرم نہیں ہے اگر اس کیلئے نشہ وکیف کا اثر اپنی ذات اور اپنی چہار دیواری تک محدود ہو، اور اس کی وجہ سے پڑوسیوں اور راہ گیروں کو نقصان نہ پہنچے، اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی بات کے جرم ہونے کیلئے یہ بنیاد ہے کہ وہ حکم خداوندی کے خلاف تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ اس کے جرم ہونے کیلئے کافی ہے، چاہے کسی سماج کے تمام لوگ اس کو پسند کیوں نہ کرتے ہوں۔

اس طرح اسلام میں جرائم کے ممنوع ہونے کی ایک مستقل اور پائیدار بنیاد موجود ہے، جب کہ وضعی قوانین میں کسی فعل کے جرم ہونے کیلئے جو پیمانہ مقرر کیا گیا ہے وہ ایسی ناپائیدار بنیاد ہے کہ کوئی فعل کتنا ہی بھیانک اور غیر انسانی کیوں نہ ہو، ممکن ہے، آج جرم کہلائے اور کل اس فہرست سے نکل جائے، غور کیجئے کہ دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو کھلے طور انسان کیلئے نقصان دہ ہیں اور علاوہ روحانی مضرت کے ان میں دسیوں جسمانی اور اَخلاقی نقصانات ہیں، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کی طبیعت جلد باز اور ''مذاقِ انجام ناشناس'' اسے قدم قدم پر اس بات پر اُکساتا ہے کہ وہ وقتی لذت وشادکامی کے حصول کیلئے ان نقصانات کی پرواہ نہ کرے، بجز اس مزاجِ حقیقت ناشناس کے کون شئ ہے جس نے میکدوں کو آباد رَکھا ہے اور عشرت کدوں کا دامن مراد بھرا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ اگر انسان کی رضا اور انسانی سماج کی خوشنودی ہی کسی عمل کے جرم قرار پانے کیلئے میعار ہے تو ایسی بہت سی چیزیں جرم باقی نہیں رہیں گی جو عیاناً انسان کیلئے مضر ہوں ،جیسا کہ مغربی ممالک میں اس کا عملی تجربہ ہو رہا ہے اور جہاں حق خودکشی اور رشتہ ہم جنسی تک کے جواز کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور ایسے صریح غیر انسانی افعال بھی جرم وگناہ کے دائرہ سے نکلنے کے دَرپے ہیں، اس کے برخلاف اسلام نے کائنات کے ربّ حکیم وعلیم کے اَمر ونہی اور رضا وناخوشنودی کو بنیاد بنیا ہے، جو مخلوق کیطرح جذبات وشہوات سے مغلوب اور مستقبل ومآل کے نفع کے مقابلہ جلد حاصل ہوجانے والے حقیر نفع کا طلب گار نہیں ہوسکتا، اسلئے اس کے اَوامر ونواہی کی اطاعت میں اَبدی فلاح اور دائمی سعادت ہے، اسی لئے پوری اسلامی تاریخ میں نہ شراب حلال ہوسکی، نہ زِنا کیلئے اَباحت کا دروازہ کھلا اور نہ حرام وحلال کی سرحدوں (حدود اللہ) میں کوئی فرق آیا۔

جرم کے بارے میں نقطہ نظر کا یہ فرق خود سزاؤں کے متعلق بھی اسلامی اور غیر اسلامی تصور کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے، وضعی قوانین میں سزاؤں کا مقصد محض امن عامہ کا قیام اور حقوق انسانی کا تحفظ ہے، اسلام میں بھی بیشک سزاؤں کا ایک اہم مقصد یہی ہے لیکن اسلام کی مقررہ سزاؤں پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا منشاء ان سزاؤں سے اور بھی بہت کچھ ہے جس کا تعلق اس کے تصورِ آخرت اور خدا کی رضاجوئی کے عقیدہ سے ہے۔ مختصر لفظوں میں وہ مقاصد یہ ہیں:

اول: قیام امن کہ انسانیت کا ایک طبقہ ایسا ہے کہ محض اخلاقی اپیل اسے عدل پر قائم نہیں رہنے دیتی، تا آنکہ اسکے ساتھ سخت گیر رویہ اختیار نہ کیا جائے، قرآن مجید نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ قتل کی سزا قتل ''قصاص'' میں تمہارے لئے حیات وبقاء مضمر ہے۔ (سورہ بقرہ:۲۲)

دوسرا: مجرم کو اس طرح سزا دی جائے کہ اس سے دوسروں کو عبرت ہو اور جرم پیشہ لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوسکے، چوری کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے، ارشاد ہے: ''فاقطعوا اَیدیہما.........'' (مائدہ:۳۸) ہدایت کی گئی کہ جب زِنا کی سزا کا نفاذ عمل میں آئے تو اہل ایمان کی ایک جماعت وہاں موجود رہے۔ ''ولیشہد عذابہما.........'' (نور:۱۰)

سزا کا تیسرا مقصد تقاضا عدل کی تکمیل ہے، عقل عام اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو جس قدر نقصان پہنچائے اسی قدر نقصان اس سے برداشت کرایا جائے، مثلاً ایک شخص کسی کے دس روپے چھین لے تو ضرور ہے کہ اس سے دس روپے وصول کئے جائیں، اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ مظلوم کے ساتھ ایک طرح کی زیادتی ہوگی، اسلام نے مالی حقوق کے علاوہ جسمانی حقوق کے معاملہ میں بھی ممکن حد تک اسی پر عمل کیا ہے، چنانچہ شریعت نے جسمانی ایذا کیلئے قصاص کا قانون رکھا اور قتل یا عمومی نقصان کی صورت میں مجرم سے بھی اسی سلوک کی اجازت دی، سوائے اس کے کہ خود زخم خوردہ یا مقتول کے ورثہ اس سے دست کش ہوجائیں، افسوس کہ یہ سزائے موت جو عین تقاضائے انصاف اور اُصول معدلت کے مطابق تھی اسے ''نادان اہل دانش'' نے ایک وحشی سزا قرار دیدیا ہے، غور کیجئے کہ ایک شخص سے زندگی کا حق چھین لیا جائے اور اس کے قاتل کو محض ''قید عمر'' کی ایسی سزا دی جائے جو قانونی موشگافی کے نتیجہ میں ۱۵۔۲۰ سال میں مکمل ہوجائے، کس طرح اس ستم رسیدہ مقتول یا اسکے ورثہ کے ساتھ انصاف ہوگا؟

سزا کے نفاذ کا چوتھا مقصد مجرم کے گناہ کی تطہیر اور پاکی ہے، بہت سے گناہ وہ ہیں کہ محض توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں، بعض گناہوں کیلئے شریعت نے مالی سزائیں مقرر کی ہیں جو ''کفارہ'' سے موسوم ہیں، یہ کفارات ''تکفیر سیئات'' کردیتے ہیں، مثلاً بیوی سے ظہار، قسم کھا کر پوری نہ کرنا، وغیرہ اور بعض گناہوں کی معافی شریعت کی مقررہ سزاؤں سے ہوتی ہے، اسلئے بعض احادیث میں ''حدود'' کو ''کفارہ'' قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری:۲/۱۰۰۳، باب الحدود کفارۃ) اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مسعود میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعض ساتھیوں سے جب ازراہِ بشریت زنا کا صدور ہوا تو وہ رضا کارانہ بارگاہ نبوت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوئے، خواہش کی کہ مجھے پاک کردیجئے۔ (مسلم:۲/۶۶، باب حد الزنا) راقم سطور کی نظر سے یہ امر مخفی نہیں کہ احناف کے نزدیک حدود کفارہ نہیں ہیں، مگر زیادہ تر نصوص اس بارے میں جمہور کے ساتھ ہیں اور خود صاحب مذہب امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے یہ صراحت منقول نہیں کہ حدود کفارہ نہیں ہیں، مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا خیال ہے کہ احناف کے یہاں بھی حدود جزوی طور پر کفارہ ہیں۔ (العرف الشذی مع الترمذی:۱/۲۶۸)

جرم وسزا کے ساتھ خدا کی طلب رضا وخوشنودی کی اور آخرت کا یقین اور جواب دہی کا تصور ہی ہے کہ قرآن جہاں کہیں جرم کی دنیوی سزا وعقوبت کا ذکر کرتا ہے آخرت کی مسئولیت کا احساس بھی دلاتا جاتا ہے، رہزنی کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا: ''ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم'' (مائدہ:۴۱) قتل ناحق اور زنا کے بارے میں ارشاد ہوا: ''ومن یفعل ذالک یلق اَثاما'' (شعراء:۶) یہ وہ تصور ہے کہ رات کی تاریکی اور خلوت کدوں کی تنہائی بھی مجرم کے ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اس کیلئے زنجیرِ پا بن جاتی ہے۔

اسلام کے قانونِ جرم وسزا کی چند خصوصیات

اسلام کے قانون جرم وسزا کا سب سے بڑا امتیاز ''مساوات وبرابری'' ہے اس نے حاکم ومحکوم، فرماں روا اور رعایا اور دوست ودُشمن کے درمیان اس باب میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا، ارشاد خداوندی ہے: ''کسی قوم کی برائی تم کو ناانصافی میں مبتلا نہ کردے، عدل سے کام لو کہ یہ قرین تقویٰ ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک خدا تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔'' (مائدہ:۸) عہد رسالت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مخزومی خاتون پر چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم ہوا۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاص چہیتے حضرت اُسامہؓ سفارش کیلئے آئے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم سے پہلے کی قوتیں اسی طرح ہلاک ہوئیں کہ وہ پس ماندہ لوگوں پر سزائیں جاری کرتے تھے اور سماج کے معززین کو چھوڑ دیا کرتے تھے، پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قسم کھاتے ہوئے خود اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی بابت ارشاد فرمایا کہ اگر ان سے یہ غلطی ہوتی تو میں ان کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (بخاری، باب الحدود) قصاص کے باب میں مرد وعورت اور مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ (خانیہ علی الہندیہ:۳/۴۳۹، باب القتل) بلکہ خود پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک ادنیٰ امتی پر اپنے آپ کو قصاص کیلئے پیش فرمایا، اور لکڑی اُٹھا کر ان کے ہاتھ میں دی کہ وہ قصاص لے لیں۔ (جمع الفوائد:۱/۱۷۸)

بقیہ صفحہ 7 پر......

آؤ لوگو مصطفیٰ کی پیار کی باتیں کریں
موہ لیتی تھی جو دل حب داروں کے اغیاروں کے
میٹھی میٹھی پیاری اُس گفتار کی باتیں کریں
رکھ کے سر جھولی میں جس کی چین سے سوئے حضور
یار باکردار اور اُس غار کی باتیں کریں
حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسی تلک
سب کے رہبر، پیشوا سردار کی باتیں کریں
جان کے دُشمن بھی دیکھیں تو کہیں صادق امین
آمنہ کے لال کے کردار کی باتیں کریں
بیٹھے ہوں گے ابوبکر، فاروق عمر، عثمان، علیؓ
اور ہوں گے آقا اُس دربار کی باتیں کریں
چاند سورج یہ ستارے جن کے آگے ہیچ ہیں
مصطفیٰ کے آج اُن انوار کی باتیں کریں
کھسکھساہٹ جن کے قدموں کی سنیں آقا وہاں
آقا کے اُس پیارے حبشی کی باتیں کریں
روزِ محشر عاصیوں کے ہوں گے اَرشد جو شفیع
اُن شفیع المذنبین غمخوار کی باتیں کریں
آؤ لوگو مصطفیٰ کی پیار کی باتیں کریں

نوٹ: اس شمارے میں شاملِ اشاعت مضامین ومراسلے وغیرہ سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ

www.khanqah.in

زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا

تحریر: اسرارالحق قاسمی

مسلم معاشرہ کی اقتصادی حالت خاصی ابتر ہے،عوام بے روزگار اور کمر توڑ مہنگائی کی زد میں ہیں،عریانی بخاشی اور ظلم وبربریت نے ہندوستانی معاشرہ کو پلٹ کر کے رکھدیا ہے،یہ سب شاخسانہ ہے اللہ کی نافرمانی اور سودی نظام معیشت کا۔اس مخدوش ترین دَور میں تمام رفاہی بفلاحی،دینی اور سیاسی تنظیموں کو انسانوں کی فلاح و بہبود کیلئے نیک جذبے اور لگن سے شب و روز کام کرنا چاہیے،ایسے طور طریقے اور اسلوب اپنانے چاہیں جس سے محلے محلے میں مفلسی،غربت اور تنگ دامنی کے باوجود امن وامان قائم ہو سکے،جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت ہو،عوام عزت ووقار اور آزادی محسوس کر سکیں،دوسروں کو چھوڑیئے،اسلام اپنے ماننے والوں سے معاشرہ میں یہی سب کچھ چاہتا ہے،امن وسلامتی کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔قتل وغارت گری،دہشت گردی،ظلم وبربریت اور وہ تمام غیر انسانی سرگرمیاں جن سے معاشرہ میں سراسیمگی پھیلے،سکون درہم برہم ہوتا ہو،عوام جان کے خوف سے گھر میں مقید ہو جائیں اور خود کو ہر لمحے غیر محفوظ سمجھیں،اسلام کے ماننے والوں کے اوصاف میں سے نہیں ہیں۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔''ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل اختیار کریگا'' (بخاری و مسلم)۔مسلمانوں کو تو حکم ہے کہ ''رحم کرنے والوں پر خدائے مہربان رحم فرمائے گا،زمین والوں پر رحم کرو،آسمان والا تم پر رحم کریگا''اور نبی کریم ﷺ نے صاف صاف نشاندہی فرمائی ہے کہ ''تم میں بہترین افراد وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوں''اور متنبہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ ''آدمی کے گنہگار ہونے کیلئے یہ بہت کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھے،مسلمان مسلمان پر پورے کا پورا احرام ہے،اس کا خون بھی،مال بھی،آبرو بھی۔(مسلم) نافرمانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ''جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور اس کے مقابلے میں غرور اور سرکشی اختیار کی ایسے لوگ دوزخی ہیں،وہ دوزخ ہی میں ہمیشہ رہیں گے'' (الاعراف:۹۳)۔

البتہ اللہ تعالیٰ جو غفور اور رحیم ہیں،درگزر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے،ظالموں اور نافرمانوں کیلئے اپنا در کھلا رکھا ہے،اور وہ ہے توبہ واستغفار کا راستہ۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو لغزشوں اور گناہوں سے تائب ہونے اور توبہ واستغفار کرنے کیلئے وقت کو ذرا اور بھی دراز کر دیتا ہے پھر بھی ظالم اور نافرمان باز نہیں آتے۔تو اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے جب حرکت میں آجاتی ہے تو اُن کا حشر خراب کر کے رکھ دیتی ہے۔اللہ نے قرآن میں اپنے ماننے والوں کی صفات صاف صاف بیان کر دی ہے۔اسی طرح سورۃ المومنون:۱،سورۃ المومن:۹۔۷ کے علاوہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ مطلوب مومن کی صفات بیان ہوئی ہیں،یہی نہیں بلکہ اللہ کے نافرمانوں،معاشرہ میں برائیاں،فحاشی وفتنہ فساد پھیلانے والوں کیلئے قرآن حکیم میں بار بار سخت عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔''جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کیلئے دُنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے''۔(النور:۹۱) نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو گوشت حرام سے بنا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا،جو گوشت حرام سے بنا ہو دوزخ ہی اسکے لئے موزوں ہے۔''

ملت میں امن وامان درہم برہم ہو،ہر طرف قتل وغارت گری،لوٹ مار کا راج ہو تو پورا نظام زندگی چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔صنعت وحرفت،تجارت و کاروبار بھی متاثر ہوتے ہیں،نجی اور سرکاری امور کی انجام دہی میں زبردست خلل واقع ہوتا ہے۔تعلیمی اداروں کے بار بار بند ہونے اور وہاں خوف وہراس کی فضا چھا جانے سے طلبہ وطالبات کی تعلیم اور اذہان متاثر ہوتے ہیں،چنانچہ معاشرہ بھی بری طرح بے روزگاری کا شکار ہو جاتا ہے،اخلاقی برائیاں اور گراوٹیں جنم لیتی ہیں اسی لئے تمام معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کا انحصار امن وامان پر ہوتا ہے،جو حکومت وقت کی اوّلیں ذمہ داری ہے۔

اللہ رب العزت کا حکم ہے کہ ''اور جس شخص کی جان کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل مت کرو مگر حق پر'' باری تعالیٰ ایک اور جگہ متنبہ فرماتا ہے: ''جس نے کسی انسان کو جان کے بدلنے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔(المائدہ:۲۳)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ''جس انسان نے کسی معاہد کو معاہدہ ختم ہونے سے پہلے قتل کر دیا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔'' (ابوداؤد) اور یہ بھی فرمایا کہ ''جس کسی نے معاہد کو قتل کیا اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی،حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔(بخاری) اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو مخاطب کر کے کہ ''اے کعبۃ اللہ! تو کس قدر پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے اور تو کتنے اونچے مقام والا ہے اور تیری حرمت کس قدر زیادہ ہے (اس کے باوجود) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری (محمدؐ) کی جان ہے،مومن کے مال اور خون کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرے اس مقام حرمت سے کہیں زیادہ ہے''۔(ابن ماجہ، بخاری، مسلم) اسی طرح باغیوں کا قتل شریعت میں واجب ہے،کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے ''تو اس گروہ سے لڑو جو سرکشی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ رجوع کرے اللہ کے حکم کی طرف'' (الحجرات:۹)۔اور فرمایا خالق کائنات نے اور جو کسی مومن کو قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کیلئے عذاب عظیم تیار رکھے گا۔(النساء:۳۹) اللہ پر مکمل ایمان اور صالح عمل ہی ہمارے مصائب کا حل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ اُن سے منہ پھیرے'' (السجدہ:۲۲) ہم مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلئے یہ بات راسخ ہونا چاہیے کہ اس پوری کائنات میں نظام اور قانون اللہ واحد کا چلتا ہے۔(الاعراف:۴۵،یوسف:۰۳) اس کے حکم کے بغیر پتا تک نہیں ہلتا،دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے،(الاحقاف:۳) اہل ایمان کے اچھے اور بُرے اعمال ہی پر آخرت میں سزا و جزا موقوف ہے،اس دنیا میں ہمارے اعمال اگر نیک ہوں گے تو ہماری زندگیاں بھی آخرت میں پُرسکون ہوں گی اور اگر اس چند روزہ فانی زندگی میں ہم سے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی ہوتی رہی ہے تو پھر ہماری اُخروی و ابدی زندگی بھی سخت عذاب میں ہوگی،مسلمانوں کی زندگی میں ایمان کے بعد نیک عمل مشروط ہے،نیک عمل کے بغیر مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں رہتا۔یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے درج فرمادی ہے،اس لئے ہر مسلمان کیلئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے،ہر مسلمان کو چاہیے کہ نہایت محبت،ذوق وشوق سے قرآن حکیم کی تلاوت اور سیرت النبی ﷺ کا باقاعدگی سے مطالعہ کرے تاکہ اس پوری کائنات کے خالق کی حیثیت اور دبدبہ اور محبت ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔ہم ذرا سا بھی غور کریں تو مسلم معاشرہ میں اس وقت جو بگاڑ ہے اور جس میں کسی نہ کسی طرح ہم ملوث ہیں یہ سب مسلمانوں کی اپنے دین سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

بقیہ : جواہر القرآن...... صفحہ 3 سے

روزے رکھے اور کسی بیماری یا ضعف کے سبب اتنے روزوں پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے،یعنی دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا ساٹھ مسکینوں کو کھلادے اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دےدے،فطرہ کی مقدار ہمارے موجودہ وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر گندم ہیں،اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

علم نحو سیکھئے - 14

مولانا محمد طاہر قاسمی۔اُستاذ سواء السبیل

سوال: اسم کی اوّلاً کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اسم کی اوّلاً دو قسمیں ہیں۔ا) اسم معرب۔(۲) اسم مبنی

اسم معرب: وہ ہے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو،اور مبنی اصل سے مشابہت نہ رکھتا ہو،جیسے زَیْدٌ قَائِم میں زید قائم کے ساتھ مرکب ہے۔اور مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے۔

اسم مبنی: وہ ہے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو اور مبنی اصل سے مشابہت رکھتا ہو جیسے ھٰوءُلآء یہ مبنی اصل حرف سے مشابہت رکھتا ہے۔ (ہدایۃ النحو)

سوال: اسم کو دو قسم معرب اور مبنی میں منحصر ہونے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: اسم کو دو قسم معرب اور مبنی میں منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں،یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو یا نہیں،اگر اپنے غیر کے ساتھ مرکب نہیں ہے تو مبنی ہے،جیسے اَسماء معدودہ وغیرہ اور اگر اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں مبنی اصل کے مشابہ ہے تو مبنی ہے،اگر مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے تو معرب ہے۔ (ایضاح المطالب)

سوال: معرب اور مبنی میں کون اَصل ہے؟

جواب: معرب اور مبنی میں معرب اَصل ہے،اسلئے کہ الفاظ مافی الضمیر کے اظہار کیلئے وضع کئے گئے اور یہ معنیٰ صرف معرب میں ہے مبنی میں نہیں۔ (حاشیہ ہدایۃ النحو)

سوال: معرب کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے؟

جواب: معرب بروزن مکرمٌ اِسم ظرف مکان ہے،اعراب سے مشتق ہے بمعنی ظاہر کرنا۔چونکہ معرب بھی معانی کے اظہار کرنے کا محل ہے اس وجہ سے اس کو معرب کہتے ہیں۔ (حاشیہ ہدایۃ النحو)

سوال: معرب کا حکم کیا ہے؟

جواب: معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عامل کے بدلنے سے بدلے،جیسے جآءَ زیدٌ،رَاَیت زید،مررت بزیدٍ۔

سوال: معرب کے حکم کی قیود بیان کیجئے؟

جواب: معرب کے حکم کی چند قیدیں ہیں:

(ا) اعراب کا اختلاف ہے معرب کے آخر میں ہونا چاہیے،لہٰذا اگر معرب کے آخر کے علاوہ کہیں اور اعراب کی تبدیلی ہوتی ہے تو اسے معرب کا حکم نہیں قرار دیا جائے گا۔جیسے: جاءنی امرءٌ،رأیت امرءً،مررت بامرءٍ۔

(۲) معرب کے آخر کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے ہو پس اگر عوامل کے علاوہ کی وجہ سے آخر معرب بدلتا ہے تو وہ معرب کا حکم نہ ہوگا،جیسے مَنِ ابنُکَ مَن زید کہ مَن کے نُون پر حرکت کی تبدیلی عامل کی وجہ سے نہیں ہے۔

(۳) عامل بذات خود اس معرب پر داخل ہو اس کے خلاف کی صورت میں وہ معرب کا حکم نہ ہوگا،جیسے جاء زید من زید،رأیت زیداً من زیداً،مررت بزید من زیدٍ،اس لئے کہ تمام مثالوں میں زید ثانی کا اعراب،اعراب حکائی ہے۔

(۴) وہ عوامل عمل میں مختلف ہوں اگر بجائے عمل کے وہ اسمیت یا فعلیت یا حرفیت میں مختلف ہوں تو ظاہر ہے کہ آخر معرب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی،جیسے ان زیداً مضروب،انّی ضربت زیدا،انّی ضارب زیداً۔ (کشف المطالب)

سوال: اختلاف ذاتی اور صفاتی کسے کہتے ہیں؟

جواب: اختلاف ذاتی وہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے،جیسے جاءنی ابوک،رأیت اباک،مررت بابیک۔

اختلاف صفتی کہتے ہیں ایک حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے۔جیسے جاء زید،رأیت زیداً،مررت بزید۔

بقیہ : آپکے پوچھے گئے دینی......

سزا میں جرم کی مقدار کو پیش نظر رکھا گیا ہے، معمولی جرم پر سخت سزا اور سنگین جرائم پر معمولی سزائیں نہیں رکھی گئیں، اس کی سب سے واضح مثال قانون قصاص ہے، جان کے بدلہ جان، اعضاء کے بدلہ اعضاء، ضرب کے بدلہ ضرب۔ ظاہر ہے یہ عین مناسب جرم سزا ہے، چور کا ایک ہاتھ گٹوں تک کاٹا جائیگا کہ ہاتھ ہی اصل جرم کا باعث ہے، اور یہ ''کھلی پہچان'' نامتعارف لوگوں کیلئے ایسے شخص کی طرف سے متنبہ رہنے کا اشارہ ہے، زنا سے پورا وجود لذت اندوز ہوتا ہے، اسلئے کوڑے کی سزا ہو یا رجم کی، پورے انسانی وجود پر اس کا اثر پڑتا ہے، یہی حال شراب کا ہے کہ اس کی بدمستیاں پورے وجود کو بدمست کر دیتی ہیں، اور یہی حال تہمت کی سزا کا ہے کہ تہمت متہم کے پورے وجود کو خود اس کیلئے ننگ مجسم بنا کر رکھ دیتی ہے،، اسلئے ضرور تھا کہ تہمت تراش کے پورے جسم پر تازیانہ عبرت برسائے جائیں، دوسرے قوانین جرم وسزا کا تقابل کیجئے تو افراط وتفریط صاف طور پر نمایاں نظر آئے گا، ماقبل اسلام سزاؤں میں حددرجہ افراط تھا اور معمولی غلطیوں پر بڑی بڑی سزائیں دی جاتی تھیں، آج بھی سیاسی مجرمین کے ساتھ خود مہذب ملکوں میں جو انسانی اور بہیمانہ سزائیں روا رکھی جاتی ہیں وہ جاہلیت قدیم کو بھی شرمسار کرنے کیلئے کافی ہیں، اسکے برخلاف عام مجرمین کے معاملے میں موجودہ متمدن ملکوں میں خاصی تفریط برتی جاتی ہے، اور بڑے بڑے غیر اخلاقی اور غیر انسانی جرائم پر جرمانہ اور قید کی معمولی سزائیں تجویز کیجاتی ہیں، اسلام نے اس مسئلہ میں بھی پورے عدل اور اعتدال سے کام لیا ہے۔

اسلام نے مجرم کے بھی کچھ حقوق رکھے ہیں، اور جرم کے ثبوت کے باب میں ہر طرح کے شبہ کا فائدہ مجرم کو دیا ہے، اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصی ہدایت تھی کہ: ''مسلمانوں کو بحد امکان حدود سے بچاؤ، پس اگر ان کیلئے کوئی راہ خلاصی پاؤ تو ان کو چھوڑ دو، کہ امام کا (مجرم کو) معاف کرنے میں غلطی کر جانا (بے قصور کو) سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔'' چنانچہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ شبہات حدود کو ساقط کردیں گے (الاشباہ والنظائر: ۱۲۷) اسی لئے پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خواہش رہتی تھی کہ ایسے جرائم پر لوگ باہم صلح واصلاح کرلیں، عدالت میں نہ لائیں تاکہ مجرم کی اصلاح بھی ہوجائے اور وہ سزا سے بھی بچ جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حکام تک مقدمہ جانے سے پہلے تک لوگ باہم عفوو صلح کرلیں۔ کہ جب معاملہ عدالت میں آجائے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کے سوا چارہ نہیں (مجمع الزوائد: ۲/ ۲۵۸) حضرت صفوان بن امیرؓ کی چادر چوری ہوگئی، جن صاحب نے لی تھی وہ ماخوذ ہوئے، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو ان کو رحم آگیا اور عرض کناں ہوئے کہ یہ میرا مقدمہ تھا، میں چادر ان ہی صاحب کو ہبہ کرتا ہوں، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم نے میرے پاس آنے سے قبل ہی ایسا کرلیا ہوتا۔ (نصب الرایہ: ۳/ ۳۶۹)

مظلوم کی دادرسی، جرم کے سد باب اور امن وامان کے قیام کی غرض سے اسلام چاہتا ہے کہ سزاؤں کے نفاذ میں رورعایت نہ ہو لیکن وہ مجرم کی انسانی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے اور اس کی اصلاح کا اُمیدوار ہو کر اس سے ہمدردی بھی رکھتا ہے، مثلاً شریعت نے جہاں قصاص کا قانون رکھا وہیں مقتول کے ورثاء راضی ہوجائیں تو قصاص کے بجائے دیت اور خوں بہا کی گنجائش بھی رکھی، بلکہ نہایت لطیف پیرایہ میں قرآن پاک نے ان سے خواہش بھی کی کہ ایک قتل کے بعد دوسرے قتل کی نوبت نہ آئے اور عفو ودرگذر سے کام لیا جائے۔ (سورۂ بقرہ: ۲۲۰) پھر قصاص کے باب میں یہ قاعدہ مقرر کیا کہ چاہے ایک درندہ صفت انسان نے جس طرح بھی کسی مظلوم کو قتل کیا ہو لیکن اب اس قاتل سے قصاص لیتے ہوئے انسانیت کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے اور قتل کی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ جو کم سے کم تکلیف دہ ہو چنانچہ تلوار سے سیدھے طور پر سر قلم کردیا جائے: ''ولاقود الا بالسیف'' (ابن ماجہ: ۱۹، باب لاقود الا بالسیف، الجامع الصغیر: ۱/ ۷۵۱) (جاری)

چین کی دراندازی ایک مقامی تنازعہ۔ وزیراعظم

نئی دہلی// وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے چین کی دراندازی کو مقامی تنازعہ قرار دیتے ہوئے اس اُمید کا اظہار کیا ہے کہ اسے حل کرنے کے لئے ہم ایک منصوبے کے تحت کام کررہے ہیں۔ بھارت اور چین کیدرمیان پیدا شدہ تازہ ترین سرحدی تنازعے پر پہلی مرتبہ لب کشائی کرتے ہوئے منموہن سنگھ نے کہا کہ یہ ایک مقامی تنازعہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس کو حل کیا جائے گا۔ وزیراعظم نے اس اُمید کا اظہار کیا ہے کہ لداخ خطے میں چینی فوج کی دراندازی کے معاملے کو پُر اَمن طور پر حل کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ بات چیت جاری ہے اور اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ معاملہ حل ہوسکے۔ اور اس کیلئے ایک خاص منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ بھارت سرکار کیا کررہی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ''ہمارے پاس ایک منصوبہ ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ ہم اس صورتحال کو آگے بڑھانا نہیں چاہتے اسے حل کیا جاسکتا ہے اور ہم اس پر کام کررہے ہیں''۔

بقیہ : صفحہ اوّل سے آگے......

اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر فلاحِ دارین حاصل کرسکتا ہے، شروع میں اسلام کی عائد کردہ پابندیاں مشکل معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر اپنی فہم و فراست کو بروئے کار لاکر اسلام کے راستہ پر گامزن ہوتو وہ محسوس کریگا، کہ اس کے قلب کو کتنا سکون اور سچی خوشی حاصل ہے، لیکن تمام تر اپنے اعمال صالح اور تقویٰ کے باوجود اخلاص وتضرع وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر کی دُعائیں بھی مانگتے رہنا چاہیے۔ مختصر ترین الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کی بنیاد علم وعمل واخلاص اور فکرِ آخرت پر منحصر ہے اور یہ عناصر اربعہ ایک دوسرے سے زنجیر کی طرح وابستہ ہیں، ایک کڑی بھی جدا ہوگئی یا کمزور پڑگئی تو یہ زنجیر بکھر جائے گی۔

12/مئی 2013 کو مڑھامہ میں ختم نبوت کانفرنس

مڑہامہ سنگم تحصیل بجبہاڑہ میں مؤرخہ 12/مئی 2013ء بروزِ اتوار صبح 10 بجے سے نمازِ عصر تک تحفظ ختم نبوت جموں وکشمیر کی طرف سے ایک عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ عوام الناس کو عموماً عاشقانِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خصوصاً اس عظیم کانفرنس میں شرکت کی پُرخلوص دعوت دی جارہی ہے۔

منجانب: حلقہ مڑھامہ تحفظ ختم نبوت جموں وکشمیر

شر سے مجتنب رہو، راہِ خیر اختیار کرو

حضرت قطبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ رحمۃ اللہ علیہ

''اگرچہ خیر اور شر دونوں اس دنیا میں موجود ہیں اور انسان کے کردار اور عمل میں ان دونوں چیزوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے لیکن متعدد آیات کلام اللہ کے پیش نظر تمام عوامل خیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور تمام عوامل شر ابلیس اور نفسِ انسانی کے پیدا کردہ ہیں۔ پس خیر کو تو سراسر اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے۔ شر نہ تو اس کی ذات میں ہے اور نہ اُس کی جانب سے ہے۔ بلکہ نفسِ امارہ کی پیدا کردہ شے ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''تمہیں جو بھی نیکی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور تمہیں جو بھی بدی پہنچتی ہے وہ سراسر تمہارے اپنے نفس کی جانب سے ہے'' پس میں تجھے تاکید کرتا ہوں کہ خیر یعنی توحید وتقویٰ کا راستہ اختیار کر اور شر یعنی شرک وفسق کا اصول اور اس کے عوامل چھوڑ دے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ''میرے بندو! تم جنت میں اپنے اعمالِ صالح کے عوض داخل ہوجاؤ۔ سبحان اللہ! اُس کی کس قدر رحمت ورعایت ہے کہ اُس کے بندے نیک اعمال کے باعث بہشت کے مستحق قرار دیئے گئے، حالانکہ تمام نیک عمل بھی سراسر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق ونُصرت سے ہیں''۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جنت میں کوئی بھی شخص محض اپنے اعمال کے سبب داخل نہ ہوگا'' اور حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا: ''یارسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں'' فرمایا ''میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ مجھے ڈھانپ لے'' یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ پس میں تجھے شریعت کا احترام کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں پھر جب تو احکامِ اِلٰہی تعمیل کرے گا اور دستور شریعت کا احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے شر اور شر کے ذرائع سے محفوظ رکھے گا اور تجھ پر راہِ خیر روشن فرماکر شریعت کو تیرے لئے آسان کر دے گا اور تمام معاصی سے بچائے گا۔ فرمایا جو لوگ ہمیں سمجھنے اور پانے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں تم اُن کے لئے صراط المستقیم کو روشن کردیتے ہیں اور اُن کی رہنمائی کرتے ہیں'' اسی بنا پر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا: ''ہم نے حضرت یوسفؑ کو ہر قسم کی بدی اور فحش سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے'' ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہیں عذاب کرے''

اس سے ظاہر ہے کہ مؤمن اور شاکر بندے دُنیا میں بھی مصائب اور آفات سے محفوظ رکھے جاتے ہیں اور عقبیٰ میں بھی ذلت وعذاب سے نجات پائے ہوئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری زیادتی نعمت کا باعث ہے۔ فرمایا: ''اگر تم شکر بجالاؤ گے تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے''

او بندہ مؤمن! جب تیرا نورِ ایمان آخرت میں نارِ دوذخ کو بھی بُجھائے گا تو وہ دنیا میں آفات وبلیات کی آگ کو کیوں نہ بُجھائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے جن محبوب وبرگزیدہ بندوں کو دنیا میں مصائب وآفات پیش آتے ہیں تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا ہے کہ اُن کے یقین (ایمان کو محکم کیا جائے اور مفاسد عقیدہ وعمل سے اُن کے قلب ودماغ کی تطہیر کی جائے اور ساتھ ہی ایسے ابتلاء سے اس پر توحید اِلٰہی، معرفتِ حق اور اسرارِ باطن کو واضح و بے نقاب کردیا جائے۔ یہ اس لئے کہ یہ قلبِ انسانی ایک ہی ہستی کی مستقل نشستِ ہے، اس میں دو ہستیاں قرار نہیں پاسکتیں اور جب اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو دل میں جگہ دی جاتے تو یہی شرک ہے جو تمام اعتقادی اور عملی حباثت کی جڑ ہے۔ اس کے برعکس توحید انسان کے قلب اور تمام اعضاء وجوارح کو ہستی باری تعالیٰ کیلئے مخصوص کرتے ہوئے اُس کے سینے کو ہر قسم کی کدورتوں سے پاک کرتی ہے اور اطمنانِ کامل عطا کرتی ہے۔ جس شخص کی توحید جتنی زیادہ محکم وتوانا ہوگی۔ اُسی قدر اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور اُسی قدر وہ ذات وصفات الٰہی کے اسرار سے باخبر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کو تم سب سے زیادہ پہچاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں''۔ پس جو شخص اپنے خالق وپروردگار سے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ اُتنا ہی زیادہ اُس سے خوف وخشیت رکھتا ہوں اور اُس کے احکام کا مطیع ہوگا۔ قُربِ حق کا ایک بڑا اثر یہ بھی ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پورا پورا احترام کرے اور اُن کا ہر دم شکر بجالائے گا۔ وہ غیر اللہ کی جانب التفات نہیں کرنے گا کیونکہ یہ اطاعتِ حق تعالیٰ میں صریح کوتاہی ہے۔

اسی حکمت کی بناء ازواجِ النبی ﷺ اور اصحاب نبیؐ کو فسق وفحش سے بالکل محفوظ رکھا گیا۔ کیونکہ اُنہیں ایک ایسی مقدس اور متقی ہستی کا قرب حاصل تھا، جس کے زیر اثر فسق وفجور کا امکان ہی نہیں تھا۔ اس بناء پر اُس شخص کے روحانی وباطنی عروج وتفوق کا اندازہ کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔ لیکن واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالا برتر ہے کہ اُسے مخلوقات سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ وہ خود فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں ہرگز نہ کیا کرو۔ اللہ کی مثل ومانند کوئی شئے نہیں ہے۔ پس توحید کا واضح تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات اور صفات دونوں میں یکتا اور بے مثل سمجھا جائے اور مخلوق سے کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے۔

www.khanqah.in

www.khanqah.in

Vol. 14 No: 16 | 03 MAY 2013 | Friday

Printer,Publisher: Nizam-ud-din Qurashi
Associate Editor: Hafiz Mushtaq Ahmad Thakur
Postal Adress: Post Box No. 1390 G.P.O Srinager
Sub Office: Khandipora Katrasoo Kulgam Kashmir-192232
Phone No: 01931-212198
Mobile: 09906546004
Branch Office: Srinagar Ph: 2481821

Widely Circulated Weekly News Paper
MUBALLIG
Kashmir

Decl. No: DMS/PUB/627-31/99
R.N.I. No: JKURD/2000/4470
Postal Regd. No: SK/123/2012-2014
Posting Date: 04-05-2013
Printed at: Khidmat Offset Press Srinager
e-mail: muballigmushtaq@gmail.com
muballig_mushtaq@yahoo.com.in

احساسات عمل

ابوسلیم

بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں بہت غلط رائے رکھتے ہیں، وہ اسلام کو ناپسند بھی کرتے ہیں، اور اسکے بارے میں طرح طرح کی غلط باتیں بھی پھیلاتے ہیں، بہت سی غلط باتوں میں سے ایک غلط بات جس کا چرچا اکثر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے سخت نفرت کریں بلکہ اُن سے دُشمنی رکھیں جو اسلام کو نہیں مانتے۔ بلاشبہ اس طرح کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو بعض اوقات کچھ وقت ان مسلمانوں کے طرزِ عمل سے بھی مل جاتی ہے جن کی روش کسی وجہ سے اس معاملے میں اسلامی تعلیمات سے ہٹی ہوئی رہتی ہے۔ پھر بعض غلط تاریخی واقعات بھی اس خیال کو تقویت کا سبب بن جاتے ہیں حالانکہ وہ واقعات اسی غرض کیلئے کھڑے کئے گئے ہیں، اور پھیلائے گئے ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟ یہ سمجھ لینا مسلمانوں کیلئے بھی ضروری ہے اور غیر مسلموں کو بھی، اس حقیقت سے باخبر کرنا ہماری ذمہ داری ہے، اور بات بہت سادہ اور آسان ہے، آپ اسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور دوسروں کو سمجھا بھی سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ پہلے سے قائم کئے ہوئے کچھ خیالات کو بنیاد نہ بنالیں! بات سمجھنے کی کوشش کریں، اس سلسلے میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ کو اسلام کی مخصوص نوعیت اچھی طرح معلوم ہو اور آپ اسلام کی اس نوعیت کو دوسروں کو سمجھا بھی سکیں، اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اسلام کسی مخصوص قوم یا نسل کا مسلک یا مذہب نہیں ہے۔ اسلام کچھ عقیدوں اور کچھ اصولوں کا نام ہے اور اس کا خطاب دُنیا میں بسنے والے تمام انسانوں سے ہے، اسلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بعض حقیقتیں دلائل کے ساتھ ان کے سامنے رکھتا ہے اور انھیں دعوت دیتا ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو سمجھیں پرکھیں اور قبول کریں اور یہ اسلئے کریں کہ ان میں انسانوں کیلئے حقیقی فلاح ہے اس طرح دیکھا جائے تو اسلام انسانوں کے سوچنے کے ڈھنگ اور عمل کے طریقوں کو ایک نئے انداز پر ڈھالنا چاہتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی ایسی تحریک جو دوسروں کے ذہن و دماغ کو بدلنا چاہتی ہو ان کے سوچنے کا ڈھنگ اور زندگی کے طریقوں کو بدلنے کا مطالبہ کرتی ہو، کیا نفرت اور دُشمنی کے ساتھ کبھی کامیاب ہوسکتی ہے؟ نفرت سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور دُشمنی دُشمنی کو جنم دیتی ہے، مخاطب کے ذہن میں نفرت پیدا کر کے اور اسے اپنا دُشمن بنا کر کیا کبھی کسی کے دِل و دماغ کو بدلا جاسکتا ہے؟ زبردستی حکومت قائم کرلینا، دوسروں کو مجبور کر کے اپنی مرضی چلالینا اگر مقصود ہو تو شاید نفرت اور دُشمنی کے ساتھ بھی آپ کو اپنے زور اور بل کے سہارے کچھ ظاہراً کامیابی ہوجائے لیکن جب سیاسی غلبہ کے بجائے ذہنی انقلاب مقصود ہو تو پھر بھلا نفرت اور دُشمنی سے کام کیسے بن سکتا ہے، اس سے تو دوری پیدا ہوتی ہے، نفرت اور دُشمنی کی فضا میں تو سیدھی اور سچی بات سمجھانا بھی مشکل ہوجاتا ہے، ایسی فضا پیدا کرنے پر تو کوئی تحریک جو تمام انسانوں کو مخاطب کرنا چاہتی ہو، دو دِن بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

بات کچھ اور ہے، اسلام نہ نفرت کی تعلیم دیتا ہے اور نہ دُشمنی کی، بلکہ اس کے برخلاف عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کرنے کی سخت تاکید کرتا ہے۔ قرآن پاک کا وہ حصہ ذرا توجہ سے پڑھئے جو اسلام کے بالکل

اسلام کسی مخصوص قوم یا نسل کا مسلک یا مذہب نہیں ہے۔ اسلام کچھ عقیدوں اور کچھ اصولوں کا نام ہے اور اس کا خطاب دُنیا میں بسنے والے تمام انسانوں سے ہے، اسلام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بعض حقیقتیں دلائل کے ساتھ ان کے سامنے رکھتا ہے اور انھیں دعوت دیتا ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو سمجھیں پرکھیں اور قبول کریں اور یہ اسلئے کریں کہ ان میں انسانوں کیلئے حقیقی فلاح ہے اس طرح دیکھا جائے تو اسلام انسانوں کے سوچنے کے ڈھنگ اور عمل کے طریقوں کو ایک نئے انداز پر ڈھالنا چاہتا ہے۔

ابتدائی دَور میں نازل ہورہا تھا، آپ جگہ جگہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی، محبت اور رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے کی تاکید پائیں گے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہ وہ دَور تھا جب اہل ایمان کو بری طرح ستایا جارہا تھا اور مخالفوں کی طرف سے وہ سب حرکتیں ہورہی تھیں جو نفرت، غصہ اور دُشمنی پیدا کرتی ہیں اس ماحول میں بھی مسلمانوں کو یہی تاکید کی گئی کہ وہ مخالفوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئیں، ضرورت مندوں کے کام آئیں اور جو مدد کے محتاج ہوں ان کی مدد کرنے میں دریغ نہ کریں۔

یوں تو مخالفوں کے ساتھ ہمدردی، محبت اور شرافت کا برتاؤ ہمیشہ ایک بڑا کام سمجھا گیا ہے، اور انسانی اخلاقیات میں اسے ہر زمانے میں اونچا مقام دیا گیا ہے۔ اب جن لوگوں نے مختلف اسباب کی بنا پر پہلے سے یہ طے کرلیا ہے کہ انھیں اسلام کو بدنام ہی کرنا ہے وہ ایسے احکام کو بنیاد بنا کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی نیت دُرست نہیں، وہ جان بوجھ کر شرارت کرتے ہیں، اسلام پورا زور اس بات پر دیتا ہے کہ اصل میں نفرت کے قابل وہ عقیدے اور وہ عمل ہیں جو انسان کو اللہ سے دور کرتے ہیں، چنانچہ اسلام کی نظر میں شرک سب سے زیادہ قابل نفرت برائی ہے، اسلام برائی سے یقیناً نفرت کرتا ہے لیکن بُروں کے ساتھ انسانی ناطے سے ہمدردی کا ہی سبق دیتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ نبی (ﷺ) کا طریقہ مسلمانوں کیلئے ہدایت ہے اور اس پر عمل کرنا ان پر لازم کیا گیا ہے، قرآن پاک کے بعد رسول اللہ (ﷺ) کے ارشادات اور آپ کا عمل سب سے بڑی سند مانا جاتا ہے، ایک بار کا ذکر ہے کہ مکّہ میں سخت قحط پڑا، اس وقت رسول اللہ (ﷺ) مدینہ میں تھے اور مکّہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا، بدر، اُحد، اور احزاب کی لڑائیاں ہوچکی تھیں مسلمانوں اور مکّہ کے مشرکوں کے درمیان سخت مخالفت تھی اور مکّہ والوں نے مسلمانوں کی چھوٹی سی حکومت اور وہاں کی رعایا کے ساتھ دُشمنی اور نفرت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی، انہوں نے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا تھا، جب مسلمان مکّہ میں تھے اس وقت بھی انہیں ستایا یہاں تک کہ وطن سے بے وطن کردیا تھا اور جب وہ مدینہ چلے گئے تھے تو اس وقت بھی انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا تھا، آئے دِن کوئی نہ کوئی شرارت کرتے ہی رہتے تھے، ٹھیک اسی حالت میں مکّہ میں قحط پڑ گیا، لوگ بھوکوں مرنے لگے، نفرت اور دُشمنی کا اگر ذرا سا جذبہ بھی مسلمانوں میں باقی رہتا تو اس موقع پر ان کی خوشی کا کیا ٹھکانا تھا وہ دُشمن کی مصیبت پر خوب خوشی مناتے اور بغلیں بجاتے اور اگر شرافت کے تقاضے کے تحت ایسا بھی نہ کرتے تو خاموش رہتے اور بے تعلق رہ کر دیکھتے کہ انجام کیا ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا، مسلمان نہ تو مکّہ والوں کی مصیبت پر خوش ہوئے نہ بے تعلق ہی رہے بلکہ ایک مستند کتاب ”سیر الکبیر“ کے بیان کے مطابق اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دیں اُسے پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کن سانچوں میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کتاب میں درج ہے کہ:

”جس وقت مکہ میں قحط پڑا، رسول اللہ (ﷺ) نے پانچ سو اشرفیاں (اس وقت کے پانچ لاکھ سے زائد) مکہ ارسال فرمائیں اور فرمایا کہ یہ رقم ابوسفیان بن حرب، صفوان بن اُمیہ کے حوالے کردی جائے کہ وہ اسے مکّہ کے حاجت مندوں پر تقسیم کردیں تو ابوسفیان نے تو اسے قبول کرلیا لیکن صفوان نے لینے سے انکار کردیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے تو رقم اس لئے بھیجی ہے کہ اس سے ہمارے نوجوان کو پرچالیں“۔

اس واقعہ سے رہتی دُنیا تک مسلمانوں کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ دُشمنی کے باوجود جب سوال آجائے، عام انسانی ہمدردی کا، تو جو لوگ برسر جنگ نہیں ہیں ان کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ کیا ہونا چاہیے، ہمارا کہنا ہے کہ آج ہمارے ملک میں ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا میں بلاشبہ مسلمانوں کے بارے میں اور ان کے تعلق سے خود اسلام کے بارے میں جس جس طرح کی غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، ان کا توڑ نہ جوابی تحریروں سے ہوسکتا ہے اور نہ مناظرانہ بحثوں سے۔ اس کیلئے تو مسلمانوں کو اس اخلاق کے زندہ کرنے اور اسکے نمونے پیش کرنے کی ضرورت ہے، جو اسلام نے ہمیں سکھائے ہیں، البتہ اس بات کا سختی سے دھیان رہنا چاہیے کہ ہمارے ہر عمل کا محرک محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح کی بھلائی کے کام کرتے وقت ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات گھن آئے کہ اگر مسلمان بالخصوص موجودہ حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرینگے تو وہ حکومت کی نظر میں مشکوک نہیں رہیں گے۔ اکثریت کے مظالم سے انھیں کچھ اَمن مل جائے گا اور فرقہ پرستی کا الزام اُن سے ہٹ جائے گا، یاد رکھئے کہ اگر اس طرح کی کوئی بات یا مصلحت آپ کے ذہن میں موجود ہوگی تو چاہے آپ کیسے ہی اونچے سے اونچے کام کیوں نہ کریں، ان میں کوئی خیر وبرکت نہ ہوگی اور نہ مسلمانوں کے موجودہ مسائل حل ہونگے، مسلمانوں کو جو کچھ کرنا چاہیے وہ صرف خدا کی خوشنودی کیلئے ہر لالچ اور ہر مصلحت سے بلند ہوکر کرنا چاہیے، اسی صورت میں ان کا عمل مقبول ہوگا اور ان کیلئے وجہ خیر ہوگا۔